ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

ماخذ تحقیقی مجلہ

ڈاکٹر عابد خورشید
اسسٹنٹ پروفیسر، یونیورسٹی آف لاہور، لاہور
محمد سید علی
پی ایچ ڈی اُردو ریسرچ اسکالر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
شازمہ زہرا
ایلیمنٹری سکول ٹیچر، گورنمنٹ گرلز ہائی سکول میر ہزار خان، جتوئی

نظمِ راشد: تلمیحی جہت

Dr. Abid Khurshid
Asst. Prof. University of Lahore, Lahore
Muhammad Said Ali
PhD Urdu Research Scholar, University of the Punjab, Lahore
Shazma Zahra
EST, Govt. Girls High School Mir Hazar Khan, Jatoi

Nazm-e-Rashid : Talmihi Dimension

For Noon Meem Rashid, Talmih is much more than a poetic technique. He does not consider talmih as a mere gesture of interpretation or explanation by linking it to a past event. Instead, he connects a hidden corner of talmeeh to the end of the moment of existence, by which talmih becomes an expression of continuity out of the tradition. Noom Meem Rashid has a wide range of talmihat, in which there is a galaxy of Islamic, historical and Indian talmihat. Here, we can estimate the extent of Noon Meem Rashid's reading, and it is here that a creative mind is also shown, to whom the diversity of topics is much higher than the poetic merits.

Key Words: *Talmih, Hint, Allusion, Analogy, Metaphor, Poetic technique, Traditional, Historic.*

فطرت اپنے بہت سے حوالوں میں اُن معائر سے منظم نہیں ہوتی جو عام طور پر ہمارے اذہان میں محفوظ ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر جنگل کا پھیلاؤ (بظاہر) کسی ترتیب کے بغیر ہوتا ہے یا ستارے (دیکھنے میں) کسی قطار میں نہیں رہتے' یا پھر سمندر کو حدود و قیود کا پابند کرنا ایک ماورائی کام ہے۔ ذہنِ انسانی میں بھی خیالات منتشر رہتے

ہیں۔اِس کے برعکس ہم نہر کے کناروں کو ترتیب سے بناتے ہیں۔ جنگل کے مقابل درخت کی شاخوں کو تراشتے ہیں تاکہ وہ خوبصورت نظر آئے اور اُس کی نشوونما درست ہو۔ستاروں کے مقابلے میں برقی قمقمے لڑیوں میں پرو کر لگاتے ہیں۔اِسی طرح خیالات کو جب الفاظ کی ترتیب دی جاتی ہے تو وہ مربوط جملے میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

لیکن زبان کا ارتقائی عمل کسی بھی طرح لامحدود نہیں ہو سکتا۔اِس کا پھیلاؤ جنگل کی طرح نہیں بلکہ اُس درخت کی طرح ہے' جس کی نشوونما کے دوران میں دیکھ بھال جاری رہے۔ نظم ونثر کا تجزیاتی عمل' دراصل زبان کی تراش خراش ہی ہے۔اگر ایسا نہ ہو تو درخت جنگل میں تبدیل ہو جائیں اور پھر تاریخ شاہد ہے کہ کئی ایک زبانیں اِس صورت حال سے دوچار ہو کر اپنی افادیت کھو چکی ہیں۔

زبان کو محض الفاظ کا مجموعہ کہہ دینا کافی نہیں بلکہ زبان ایسے الفاظ کا مجموعہ ہے جو ہر پہلو سے اپنے معاشرے کی ثقافتی و تہذیبی تعلق کو مربوط رکھے۔زبان کے ارتقا کے لیے ہم کسی بھی دوسری زبان کے الفاظ اُٹھا کر فعالی حیثیت میں اپنا نہیں سکتے۔ہمیشہ وہی الفاظ زبان میں اپنی جگہ بناتے ہیں جو ثقافتی یا علمی پس منظر میں ملتے جلتے ہوں۔زبان کی ترتیب کا ایک پہلو یہ ہے وہ وقت کے ساتھ ساتھ سمٹتی یعنیCompose ہوتی جاتی ہے۔

شاعری میں چونکہ زبان زیادہ اثرات نفوذ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے' اس لیے زبان کے محاسن لطیف ترین صورت میں نمایاں ہوتے ہیں۔لفظ'زبان میں آئینے کی طرح ہوتا ہے اور اُس کے معانی کا عکس اپنے سیاق وسباق کی صفت سے صورت بدلتا رہتا ہے' اور تخلیق مکرر کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔اگرچہ الفاظ کی ایسی تقسیم تو ممکن نہیں کہ فلاں الفاظ نثر میں خوبی سے استعمال ہو سکتے ہیں فلاں نظم میں'لیکن شاعری میں لفظ کا نسوانی پہلو زیادہ اثر پذیر ہوتا ہے۔

اُردو زبان میں شاعری کا حلقہ بے حد وسیع ہے۔شاید یہی وجہ ہے کہ محاسنِ شعری کو نہایت سُرت کے ساتھ دریافت کیا گیا ہے۔وہ چاہیے تشبیہ ہو' یا استعارہ'محاورہ'رمز'کنایہ'تلازمہ' اصطلاح اور اشارہ ایسے موضوعا ت کا تفصیلی مطالعہ کیا گیا ہے۔اِن کے مقابل "تلمیح" کا ذکر محدود ہے اور ایک لگی بندھی تعریف کو تھوڑے بہت الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ چند ایک ناقدین نے دوہرا دیا ہے۔یعنی نظم و نثر میں اگر ایسا لفظ آ جائے جس سے کسی "تاریخی واقعہ" کی جانب اشارہ ہو..... بات اتنی سادہ اور آسان بھی نہیں۔لفظ "تاریخی واقعہ" نے تلمیح کے کردار کو محدود کر دیا ہے۔کیا کوئی روایت'کوئی خاص عمارت یا کوئی خاص تحریر تلمیح کا حصہ نہیں بن سکتی؟ ہمارے ہاں "بسم اللہ" کی رسم یا "آمین" کی رسم کے پیچھے اگرچہ کوئی خاص "تاریخی واقعہ" نہیں لیکن کیا ہم ایسی طویل رسومات کو

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

تلمیح کے دائرہ سے باہر کر دیں؟ یا ایک سوال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کیا کوئی خاص شخصیت بہ ذاتہٖ خود تلمیح کے منصب پر فائز ہو سکتی ہے۔ ایسے بہت سے سوالات ہیں جو فوری طور پر ہمارے ذہن میں اُبھر سکتے ہیں!

ن' م' راشدؔ کے ہاں تلمیح کے برتاؤ کیا ہے؟ کیا وہ اس شعری حربے کے استعمال میں اپنے پیش روؤں کے زیر اثر رہے یا یہاں بھی اُنھوں نے اجتہادی رویہ اپنایا ہے۔ اِس سوال کے جواب سے پہلے سید عابد علی عابد کے اِس بیان کو ملاحظہ کیجئے' جس میں نہایت عمدگی سے تلمیح کی تعریف کی گئی ہے :

"خیال افروزی میں تلمیح کے استعمال کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ "(۱)

تلمیح کا ہماری زندگیوں میں کیا عمل دخل ہے' اِس کی اہمیت کا اندازہ اِس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے مذہبی نظریات کا بیشتر حصہ تلمیحات کی صورت میں ہی ہمارے حافظے میں موجود ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں بھی بے شمار واقعات درج ہیں۔ رہا یہ سوال کہ کیا تلمیح کا اظہار اپنی واضح صورت میں ہونا چاہیے یا محض کوئی تلازمہ بھی تلمیح ہونے کے لیے کافی ہے! (تلمیحِ جلی یا تلمیحِ خفی کا فرق) یا پھر مخصوص ذہنی تربیت اِس کا جواز فراہم کرتی ہے' ڈاکٹر سعادت سعید کی راشدؔ کے بارے میں یہ رائے ملاحظہ کیجئے :

> "راشدؔ صاحب کی ابتدائی ذہن سازی میں اُن کی والدہ' دادی' چچا اور دادا کا بڑا عمل دخل تھا۔ اُن کی والدہ کو مذہبی قصے کہانیاں یاد تھے۔ اُنھوں نے پیغمبروں اور اولیا کے قصے اُنھیں بار بار سنائے، الف لیلیٰ اور باغ و بہار' قصہ چہار درویش کی کہانیاں اُنھیں نے اپنی دادی سے سنی تھیں۔ "(۲)

تلمیح کے اِساسی مباحث میں ہمیں پہلے اِن سوالات کے جواب تلاشنے ہوں گے۔ تلمیح کیا ہے؟ تلمیح کا تصور و منصب کیا ہے؟ تلمیحات کے ماخذات کون کون سے ہیں؟ تلمیح کی جزوئیات کیا ہیں۔ تلمیح اور دیگر شعری اصطلاحات کا فرق کیا ہے؟ تلمیحات کے پس منظر میں سیاسی' تہذیبی اور مابعد الطبیعیاتی عناصر کی نشاندہی؟ تلمیح کی عمومی حیثیت کیسے دریافت کی جائے؟ تلمیح کی شاعرانہ حیثیت اور شاعری میں کردار کیا ہونا چاہیے؟ تلمیح خفی اور تلمیح جلی کا فرق کس طرح ملحوظِ خاطر رکھا جائے؟ محاسن شعری کا تلمیح سے انسلاک کیا فطری یا غیر فطری۔

اِن سوالات کو جب ہم راشدؔ کی شاعری پر منطبق کرتے ہیں تو ڈاکٹر وزیر آغا کے اِن الفاظ کی تائید ضروری ہو جاتی ہے، وہ لکھتے ہیں :

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

"جس قدر شاعر کا باطن تہ دار اور حساس اور اُس کا ذہنی اُفق کشادہ ہو گا' وہ اُسی نسبت سے انسانی تجربات کی اُن جڑوں تک رسائی پا سکے گا جو تمام انسانوں کا مشترکہ سرمایہ ہیں اور اس لیے لامحالہ ایسے اشارات سے مدد لے گا جو طبعیت کو اُن تجربات کی طرف منتقل کر دیں گے۔"(۳)

راشدؔ کے ہاں تلمیح کا چلن کیا ہے؟ راشدؔ کی شاعری میں تلمیح کا تصور کیا ہے' کیا وہ تلمیح کے استعمال میں اپنے پیش روؤں کے مقلد ہیں یا اُنھوں نے اپنے لیے کوئی نیا راستہ تلاشا ہے؟ اِس کا انحصار شاعر کے جمالیاتی تصور پر ہے' جلیل عالی لکھتے ہیں:

"کسی شاعر کے تخلیقی مرتبہ و مقام کے تعین کا ایک پیمانہ یہ بھی ہے کہ وہ کتنے بڑے فکری تجربے کو کس درجے کی جمالیاتی سطح پر شعری قالب میں ڈھالتا ہے۔ اس اعتبار سے راشدؔ کے منفرد اور طاقتور شعری جوہر سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔"(۴)

اِس بات کو کھوجتے ہوئے ہمیں یہ انکشاف ہوتا ہے کہ راشدؔ کی دیگر شعری خوبیوں کے ساتھ ساتھ اِس عطا کو بھی تحسین کی نظر سے دیکھا جائے گا کہ راشدؔ نے تلمیح کے حوالے سے اجتہادی رویہ اپنایا یعنی اُنھوں نے بعض تلمیحات کے کرداروں کا نفسیاتی تجزیہ کیا اور اُنھیں نئے منظر نامے میں پیش کیا' یہاں فوری سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کرنے سے کیا وہ کردار تلمیح کا حصہ رہ گیا یا پھر اُس کی حیثیت کیا ہو گئی؟ یعنی کسی واقعے' کسی کردار' کسی عمارت یا کسی روایت کا ماضی تبدیل ہونے سے اُس کی کیا اہمیت رہ گئی! لیکن اِس کا جواب راشدؔ کی نظموں کے قریباً ہر اُس قاری کے پاس ہونا چاہیے جو اُسے ذرا سی صراحت کے ساتھ پڑھتا ہے' یعنی راشدؔ نے کسی تلمیحی کردار کو اپنے ماضی سے منقطع نہیں کیا بلکہ کسی کردار کے اپنے زمانے میں رہنے کے جواز کو برقرار رکھتے ہوئے لمسِ تازہ کے معنی سے مس کیا ہے' جس سے اُس کی افادیت میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے۔ "سباویراں" اور "ابولہب کی شادی" اِس کی بہترین مثالیں ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر سعادت سعید نے اِس ہنر کو ایک اور انداز میں بیان کیا ہے، لکھتے ہیں :

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

" راشدؔ کو جس اخلاقیات اور سماجیات کے روبرو کیا' اُس کے خلاف جہاں کتابوں کے اثرات نے اُنھیں اپنے تجربات او واردات کو موثر حکایاتی' داستانوں اور افسانوی اسلوب میں کہنے کا ہُنر بھی عطا کیا۔"(۵)

راشدؔ نے تلمیح کو محض کسی "تاریخی واقعے" تک محدود نہیں رہنے دیا۔ اتنا ضرور ہے کہ بات اپنی "جگہ" سے سرکی ہے۔ راشدؔ کی نظموں کے مطالعے سے یہ واضح طور سے محسوس ہوتا ہے کہ اَدَب میں پہاڑوں کی طرح گڑھے ہوئے تاریخی شعور کو کسی نے اپنی آنکھ سے دیکھنے کی کوشش کی ہے اور یہ تبدیلی اپنی جگہ پر ایک ایسا کارنامہ ہے جو اُردو نظم کے اس بے مثل شاعر کو نصیب ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہر بڑی تخلیق اپنے تنقیدی معیارات ساتھ لے کر آتی ہے۔ راشدؔ کے حوالے سے یہ رُجحان بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ آج کے جدید اور مابعد جدید تنقید کے بیشتر نظریات سے راشدؔ کی نظم متصادم نہیں۔ یہ بات اپنی جگہ پر بہت اہم ہے۔ راشدؔ کی شاعری میں تلمیحات کے حوالے سے مطالعہ نہ صرف ادب کے قارئین کو راشدؔ کی اَدبی اساس یا Roots تلاش کرنے میں آسانی ملے گی۔ بلکہ نظم کو ایک نئے منظر نامے میں پڑھنے کا موقعہ ملے گا۔

اُردو تنقید کے جدید مباحث نے انتقادِ اَدَب کی جن نئی گرہوں کو کھولا ہے اُن میں لسانیات کی حیثیت مسلمہ ہے۔ تخلیقی عمل میں جو اہمیت متن کو آج حاصل ہے وہ شاید اِس شدّومدّ سے پہلے کبھی نہ تھی۔ اس اہمیت نے نہ صرف قاری بلکہ خود تخلیق کار کو اپنا مرہونِ منت بنالیا ہے۔

ن۔م۔ راشدؔ وہ پہلا شاعر ہے جس کے ہاں متنیّت کا شعور بہت صراحت کے ساتھ ہمارے سامنے آیا ہے۔ لسانیات کے جدید مباحث کسی ثقافتی مظہر کی کُلی ساخت یعنی نظام کو دریافت کرنے کی بات کررہے ہیں! جدلیات کے مباحث نئے رُخ سے اُردو شاعری کو دیکھنے کے اصول مرتب کر رہے ہیں۔ یک زمانی مطالعے کے مضمرات' نشان(Sign) یعنی ہر بامعنی لفظ کو تصور(Signifer) اور تصور نما (Signified) کے میزان پر پرکھ بھی اب ماضی کی بات ہوگئی ہے۔ لیکن راشدؔ کی شاعری' مذکورہ معائر پر بھی اپنا آپ منواتی ہے' اِس نکتہ ئ نظر سے دیکھیں تو اس کا فائدہ نہ صرف راشدؔ کی نظم کو ہوا بلکہ نظم کو بطور صنف جو کشادگی اور اعتبار حاصل ہوا اُس کی ایک صورت نظم کا وہ نظمیاتی اظہار ہے جہاں آج نظم موجود ہے' نظم کا یہ احساس راشدؔ کی عطا ہے؛ شمیم حنفی کی یہ رائے دیکھئے :

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

"راشدؔ بہت چابک دست، چوکنے، وسعت طلب اور خود رو شاعر ہیں۔ اس لیے ماضی کی، حال کی، مغرب کی، مشرق کی، روایت کی کسی بھی قدر کو، اجتماعی مفروضات اور مسلمات کی کسی بھی شکل کو وہ بے چون و چرا تسلیم نہیں کرتے' اُسے قبول کرتے ہیں تو اپنی ذہنی اور تخلیقی احتیاج کے مطابق۔"(۲۶)

یہ بات بھی ہمارے مدِّنظر رہنی چاہیے کہ راشدؔ کی نظم کا ارتقائی سفر ہر دو صورتوں میں جاری رہا۔ ایک تو راشدؔ بطور نظم نگار اُبھر رہے تھے دوسری صورت خود نظم بطور صنف اپنی حیثیت بنانے کے مراحل سے گذر رہی تھی۔ اور یہ دونوں معائر جدید نظم کو ایک ایسی اساس فراہم کرتے ہیں جس سے نظم کا مجموعی تاثر بنانے میں ہمیں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

راشدؔ کے پہلے شعری مجموعے "ماوراء" میں خالص ترین تلمیحات میں "فردوسِ گمشدہ" (آدم و حوا کا جنت سے نکالنا) "مادرِ فطرت" (تخلیقِ کائنات کا قدیم نظریہ) "طوفانی عشق" (نظریۂ محبت کا ایک پہلو) "روحِ یونان" (قدیم یونان کی تاریخ کے دانشور) "چاٹ کر دیوارِ نوک زباں" (سکندر ذوالقرنین کے زمانے کی قوم یاجوج ماجوج کا قصہ) کے علاوہ ایسے اشارات بھی ہیں جن میں تلمیحات کے تلازمات موجود ہیں۔

"ایران میں اجنبی" میں شامل تلمیحات و اشارات کے ماخذات میں قدیم ایرانی تہذیب کے نقوش جابجا نظر آتے ہیں۔ یقیناً راشدؔ کے مطالعے کی وسعت نے اُنھیں ایرانی زبان و ثقافت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور یہ تجزیہ اُن کی تخلیقات میں بھی سرایت کر گیا۔ اِس لیے اِس مجموعے میں قدیم ایرانی تہذیب و تمدن کے کردار نمایاں طور پر ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ جن میں "اسفند" (ایران کا افسانوی بادشاہ) "ضحاک" (ملک شام کا افسانوی شہزادہ) یا "نوشیر وان عادل" (کیقباد شاہ فارس کا بیٹا) وغیرہ۔۔ جن میں خالص تلمیحات کے ضمن میں "جوئے شیر" (شیریں فرہاد کا پس منظر) "سومنات" (سومنات مندر) "چین و ماچین" (چین و ایران کا جغرافیائی پس منظر) "منو کا آئین" (ہندو مذہب کا بانی) "نمرود کی خدائی" (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد کا حکمران) "عہدِ تار تار" (تاتاری قبائل کی تاریخ) "قاصدِ فرخندہ پے" (حضرت سلیمان علیہ اسلام کا پیغام رساں پرندہ' ہُدہُد) "سلیماں" (اللہ تعالیٰ کے پیغمبر) "سبا" (قومِ سبا) "من و سلویٰ" (بنی اسرائیل پر اللہ کی نوازشات) "خیابانِ شاپور" (ساسانی خاندان) "زلیخا" (عزیز مصر کی بیوی) "ہمہ اوست" (وحدت الوجود کا اساسی تصور) "جو دُنیا کے مزدور سب ایک ہو جائیں" (یکم مئی کا پس منظر) "نوروز" (ایرانیوں کا اہم تہوار)، "روسی حکایات" (روسی مصنف

کریلوف کی تحریر کردہ حکایات) "شاخِ آہو"(محاورہ)"مجذوبِ شیراز"(شیخ سعدیؒ کا لقب) "خالِ ہندو"(حافظ شیرازی کے مصرعے کی جانب اشارہ)"وزیرے چنیں"(الف لیلوی کردار)۔ علاوہ ازیں اُن اشارات کو بھی شاملِ مطالعہ کیا گیا ہے جن میں کسی تلمیح کے تلازمات موجود ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ راشدؔ نے اپنی نظموں میں چند ایک تلمیحات اختراع کی ہیں۔ مثال کے طور پر "پہلا انگریز"(ڈاکٹر باٹن) وہ پہلا انگریز جس نے ہندوستان کے ساحلوں پر سوداگری کے روپ میں برعظیم پاک و ہند کی سرزمین پر قدم رکھا اور پھر اِس پر قابض ہو گیا۔ ڈاکٹر باٹن جس نے شاہجہان کی بیٹی کا علاج کیا اور بدلے میں بنگال میں بلا محصول تجارتی مرکز قائم کرنے کی اجازت مانگی۔ وہ پہلا انگریز جو ڈاکٹر کے روپ میں آیا' پھر اُس نے تاجر کا بہروپ بدلا اور پھر بندوق نکال لی۔ Major B.D. Basuاپنی شہرہ آفاق کتاب "Rise of the Christian, Power in India" میں لکھتے ہیں :

> "In 1522, Robert Thome, a merchant and sometime Mayor of Bristol, addressed a memorandum to King Henry VIII, advising the opening of a route to India by the North-West." (۷)

صاحبزادہ عبدالرسول اپنی شہرۂ آفاق کتاب "تاریخ تہذیب انسانی" میں لکھتے ہیں :

> "۱۶۱۵ء میں میں سر طامس راؤ انگلینڈ کے بادشاہ کا سفیر بن کر مغلیہ دربار میں آیا۔ شہنشاہ جہانگیر نے سورت میں تجارتی کوٹھی کھولنے کی دوبارہ اجازت دے دی۔ ۱۶۳۹ء میں ڈاکٹر باٹن نے شاہجہان کی بیٹی جہاں آرا بیگم کا کامیاب علاج کیا۔ اس خدمت کے صلہ میں اُنھیں بنگال میں بلا محصول تجارت کرنے اور تجارتی مراکز قائم کرنے کی اجازت مل گئی۔ چنانچہ اُنھوں نے ہگلی اور بالاسور میں تجارتی مراکز قائم کر لیے۔" (۸)

"اشتراکی"(سرمایہ دارانہ نظام کی باقیات) یا "ہریجن"(معاشی استحصالی) وغیرہ کو سرمایہ دارانہ نظام کے خاص پس منظر میں برتا گیا ہے۔

"لا = انسان" میں موجود خالص تلمیحات کے ضمن میں "بہشتی پرندے"(جنت کے پرندوں کا علامتی اظہار) نور کے سالہا سال" (نوری سال)"آدم کے جشنِ ولادت" (حضرت آدم کی پیدائش) "سماوی شہر"(قدیم چینی روایت) "ابولہب کی دلہن" (سورۃ الہب' کی جانب اشارہ)"ابولہب" (حضورؐ کا چچا) "آگ پیدائش"

(تخلیق کائنات کا نظریہ) "اسرافیل"(فرشتہ اسرافیل) "بسم اللہ"(قدیم رسم) "خدا زمانہ ہے" (حدیثِ مبارکہ)"صُور" (قیامت کا اعلان)"سبیل"(قدیم رسم)"ازل کے درختوں میں سیبوں کے رسیا"(جنت کا حوالہ) شامل ہیں۔

""گمان کا ممکن" میں "رقصِ وحشی" (قدیم ترین تہذیب) "اُسے ضد کہ نور کے ناشتے میں شریک ہوں"(حضرت آدم سے مکالمہ)"ہے مجھے زمیں کے لیے خلیفہ کی جستجو" (فرشتوں سے حضرت آدم کے متعلق مکالمہ)"مقدس درخت" (درختوں کی پرستش)"مثلثِ قدیم"(عیسائیوں کا مذہبی عقیدہ)"امر د پرستی"(عربی اور ایرانی شاعری کا ایک خاص موضوع) کے علاوہ کئی ایک اشارات بھی شامل کیے گئے ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ تلمیح کوئی نیا موضوع نہیں لیکن اِس موضوع پر اُردو اَدب میں کام نہ ہونے کے برابر ہوا ہے۔سید عابد علی عابد کی کتاب "تلمیحاتِ اقبال" بڑی کتاب ہے لیکن اِس میں بھی تلمیح کے فن پر کوئی بحث نہیں۔اُردو اَدب کے اساتذہ میں تلمیح پر نہایت عالمانہ مضمون مولوی وحید الدین سلیم کا ہے جو "افاداتِ سلیم" میں موجود ہے جسے سردار علی نے مرتب کیا ہے۔اِس کے علاوہ تلمیح پر کوئی خاص تحریر ہمارے سامنے نہیں ہے۔ابتدائی اساتذہ کے ہاں بھی اِس موضوع کے حوالے سے تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔

تلمیح کو سمجھنے کے لیے دیگر شعری محاسن کا مطالعہ بھی اہم ہے۔کیونکہ جس طرح "استعارہ" کو سمجھنے کے لیے "تشبیہ" کا جاننا ضروری ہے۔اِسی طرح تلمیح سے جُڑی ہوئی شعری صنعتوں کی اہمیت سے روشناس ہونا ضروری ہے اوراِسی بات کو آگے بڑھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

جہاں تک اِس تاثر کا تعلق ہے کہ "تلمیح" سے قاری قدامت پسندی، ماضی پرستی یا کُہنہ روایات میں ناسٹیلجیا کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے تو ایسا نہیں۔تلمیحات کا اختراعی عمل ہرگز ایسا نہیں کہ زبان کو کسی کیپسول (Capsule)میں بند کر دیا جائے بلکہ اِس لسانی سانچے سے زبان میں بلاغت کا عُنصر پیدا ہوتا ہے۔دیکھا جائے تو مفرد لفظ کا مطلب اکثر اُدھورا ہوتا ہے۔بامعانی مفرد الفاظ تو زبان کا مختصر ترین حصہ ہوتے ہیں۔اِسی لیے "لفظ" کے بارے کہا جاتا ہے کہ یہ بہ ذاتِ خود ایک "اشارہ" ہے۔اُردو زبان واَدب میں اس رُجحان کو تقویت نہیں مل سکی کہ تلمیحات میں اضافہ کیا جائے۔جب کہ اِس کے مقابل اگر دیگر زبانوں کا اِس خاص حوالے سے مطالعہ کیا جائے تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ تلمیحات کی لغات مرتب ہو چکی ہیں اور صرف اِسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اُن زبانوں نے دیگر مذاہب کے عقائد، توہمات اور دیوتاؤں کے قصّوں کے لیے بھی تلمیحات وضع کر لی ہیں، جس سے اُن کی اپنی زبان

کی وسعت میں بے پناہ اضافہ ہو چکا ہے۔ اپنی بات کو مولوی وحید الدین سلیم کی اِس رائے پر منتج کرتے ہیں' مولوی سلیم "افاداتِ سلیم" (مرتب: محمد سردار علی) میں ایک امریکی انشاء پرداز آسبورن کا حوالہ دیتے ہیں جس نے تلمیح کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے، مولوی صاحب لکھتے ہیں :

> "تلمیحات کیا ہیں؟ ہماری قوم کے قدموں کے نشان ہیں، جن پر پیچھے ہٹ کر اپنے باپ دادا کے خیالات، مرعومات، اوہام، رسم و رواج اور واقعات و حالات کے سراغ لگا سکتے ہیں۔" (۹)

الغرض ن۔م راشد نے تلمیح جیسے خوبصورت شعری حربے میں اپنے پیش رووں کے زیر اثر رہنے کی بجائے اجتہادی رویہ اپنایا ہے۔ انہوں نے بنے بنائے اور پامال راستوں کی بجائے نئی راہیں تلاش لی ہیں اور ایک بڑے فکری تجربے کو جمالیاتی سطح پر شعری قالب میں ڈھالنے کی کامیاب سعی کی ہے۔ ان کے ہاں تلمیحات آج اور مستقبل کے اشارے اور معنی پہن کر سامنے آئی ہیں۔ راشد کا باطن تہ دار، حساس اور اُس کا ذہنی اُفق کشادہ ہے۔ راشدؔ نے کسی تلمیحی کردار کو اپنے ماضی سے منقطع نہیں کیا بلکہ کسی کردار کے اپنے زمانے میں رہنے کے جواز کو برقرار رکھتے ہوئے لمسِ تازہ کے معنی سے مس کیا ہے' جس سے اُس کی افادیت میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے۔ ن۔م راشدؔ کی یہی غیر معمولی شاعرانہ خوبیاں انہیں اپنے ہم عصر شاعروں سے ممتاز کرتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ عابد علی عابد، "اسلوب"، لاہور: مجلسِ ترقی ادب، طبع اول، دسمبر ۱۹۷۱ء، ص۲۰۹

۲۔ ڈاکٹر سعادت سعید، "راشدؔ اور ثقافتی مغائرت"، لاہور: شعبہ اُردو، جی سی، ص۱۷

۳۔ ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر، یاران سرپُل (نظم کا تجزیاتی مطالعہ)، نئی دہلی: مطبوعہ "ن۔م راشدؔ: شخصیت اور فن"، مرتبہ:
ڈاکٹر مغنی تبسم، ڈاکٹر شہریار، طبع اول، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نومبر ۱۹۸۱ء، ص۱۵۸

۴۔ جلیل عالی، مضمون: آب و بادہ خاک کا نغمہ خوان، لاہور: مطبوعہ: رسالہ "بنیاد" لمز، شمارہ۱، مدیران: یاسمین حمید،
ڈاکٹر معین الدین نظامی، ۲۰۱۰ء، ص۳۰۶

۵۔ پروفیسر سعادت سعید، راشدؔ اور ثقافتی مغائرت، لاہور: شعبہ اُردو، جی سی، ص۵۹

۶۔ شمیم حنفی، خیال کی مسافت، ن۔م راشد: حسیت کا سفر، کراچی: شہرزاد، ۲۰۰۳ء، ص۱۷۷

7- Rise of the Christian, Power in India, by: Major B.D. Basu, (I.M.S,) (Second Edition), R.Chatterjee, Calcutta, 1931, P-24

۸۔ عبدالرسول، صاحبزادہ، تاریخِ تہذیبِ انسانی (جلد سوم)، سرگودھا: یونیورسٹی آف سرگودھا، ۲۰۱۰ء، ص۱۴۳

۹۔ مولوی وحید الدین سلیم، افاداتِ سلیم، حیدر آباد: مرتب: محمد سردار علی، دکن کتب خانہ، مسجد چوک، س۔ن، ص۱۲۶